اکیسویں صدی کے چیلنجز اور اردو زبان و ادب کے امکانات۔مباحث

پروفیسر شمیم کوثر

Prof. Shamim Kausar,

Professor, Department of Urdu,

Govt. Girls Degree Colloege, Jinnah Town, Quetta, Balochistan.

وجیہہ شاہین

Wajeeha Shaheen

Ph.D Scholar, Department of Urdu,

Federal Urdu University of Arts, Science & Technology, Islamabad.

Abstract:

Literature is very important in our life. It directly belongs to our culture and social activities of our life. Now-a-days Urdu becomes the third language in the world. Supreme court of the country has ordered to adopt Urdu as official language in place of English. There is a need to take steps for the promotion of the Urdu as a country language which enables to accept the new challenges of the world.

ادب اور معاشرہ ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔کوئی ادب معاشرے کے بناء تخلیق نہیں ہوسکتا۔معاشرے کی سرگرمیاں تخلیقی عمل کی بنیاد اور سبب بنتی ہیں۔ادیب تحقیق کے ذریعے معاشرے سے وابستہ مسائل کو سلجھا کر بنیادی حقائق پیش کرتا ہے یہ عمل براہ راست یا بالواسطہ دونوں طریق سے حل ہوتا ہے۔احساسات کی تہذیب وتزکیہ سے زندگی میں مسرت کا پہلو اجاگر کیا جاسکتا ہے۔ادب کی دروں بینی کا کمال کہیں چھپتا نہیں۔معاشرتی زندگی کے تغیرات ،تبدیلیاں ، کیفیات اور ہر قسم کی صورت حال کے مخفی خزانوں کی گرہ کشی ممکن ہے۔سوچ اور تحریک کو جنم دیتا ہے۔ازل سے ابدتک کائنات کی ہر شہ میں طوفان برپا رہا ہے۔افراتفری ،نفسا نفسی، بھاگ دوڑ ،مقابلہ ہی مقابلہ، آگے نکلنے کی کشمکش۔تخلیقات کو وجود میں لانے کی بہت سی روایات کسی نہ کسی طور انسان کو بقائے حیات بخشتی ہے۔روایت کا شعور ماضی، حال یا مستقبل سے ہو، اسلاف سے ہو اس کے نقوش رہنمائی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ادب میں تحاریک کی آمد نے جمود کی کیفیت کو متحرک کیا۔جو تبدیلی رونما ہوئی اس سے ہی ترقی کی راہیں کھلتی جاتی ہیں۔منازل طے پاتی ہیں۔اگر ایسا نہ ہوتا تو ہماری نظر اس قدامت کو ہرگز قبول نہ کرتی۔یہ عہد ٹیکنالوجی ہے، زندگی مسلسل عمل اور بڑھنے سے بڑھتی ہے۔وقت ہر صبح نیا چولا پہن کر نمودار ہوتا ہے۔کل کی نسبت آج زندگی میں انٹرنیٹ، میڈیا، کمپیوٹر اور سٹیلائٹ کی سہولت ہے۔اب ایک ہفتہ میں کئی موبائل اور کئی کمپیوٹر نئی تکنیک کے ساتھ سامنے آجاتے ہیں۔الیکٹرانک میڈیا

کے ہم گیر اثرات اور ان جیسی ہزاروں نئی چیزوں کی آمد نے زندگی کو تیز تر کر دیا ہے۔ روابط میں تیزی ہے۔ گلوبل ویلج میں اب فاصلے سمٹ چکے ہیں۔ برقیاتی سطح پر ایک ماہ کے بعد ملنے والی چھٹی ایک منٹ میں خیریت معہ آواز و تصویر ترسیل ہو جاتی ہے۔ چند سیکنڈوں میں آن لائن بڑے سے بڑا کام اور منصوبے تک رسائی ممکن ہے۔ ان تمام عالمی چیلنجز کا اثر براہ راست انسان اور اس کی سوچ کو متاثر کرتا ہے۔ اس کی زندگی تغیر آشنا اور بھاگ دوڑ کا شکار ہے لیکن نئی آگاہیوں نے اسے اس صف میں لا کھڑا کیا ہے جہاں اس کی سوچ کا دائرہ پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ ایسے میں اس کی سوچ کے زاویے علم و فکر کی وہ راہیں استوار کرتے ہیں جو ماضی سے مختلف ہیں۔ اس نظریے کی یورش کسی قسم کی پابندی، دلائل یا نظریات کو برداشت نہیں کرنے دیتی۔ پرانے اور نئے دور میں واضح فرق آ چکا ہے۔ انسان کی سوچ اور زندگی کی عکاسی کرتا ادب سماجی رویوں کو فہم و ادراک کی مثبت سمت عطا کرتا ہے۔ تہذیبی شناخت کی دوڑ ہے۔ اسی طرح ادب نثری ہو یا شعری اس کا سفر ماضی سے مستقبل کی طرف رواں دواں رہا ہے۔ ہر صنف پر کام ہوا اور اس میں وسعت آتی گئی اور آج فروغ کی صورت نظر آتی ہے تو اس کے پس منظر میں بلاشبہ وہ تحاریک اور چیلنجز سے ٹکرانے کا عمل ہی ہے۔ اس کے فروغ میں قدامت اور جدت کا حسین امتزاج ہے۔ کہیں ایسی فضا بھی ملتی ہے جہاں ان میں سے کسی ایک رویے کو اپنایا گیا ہے۔ اس میں شعوری اور لاشعوری دونوں کوششیں شامل ہیں۔ امیر خسرو کے کلام کی چاشنی آج تک پھیکی نہیں پڑی، درمیان میں صدیوں کا سفر ہے۔ لیکن نئے تقاضوں کو اپنانا اور آنے والے خطرات و چیلنجز سے نمٹنا لازم تھا۔ ادب تو خود ایک چیلنج ہے۔ جو تخلیق کار کی روح کی آواز اس کے دلی احساسات و جذبات کا نچوڑ اور زمان و مکان کے موسموں سے لڑتا بھڑتا ایسا تخلیقی رویہ ہے کہ اس کی وضاحت مشکل امر ہے۔ یہ وہ گارا ہے جس نے لکھاری، قاری، معاشرہ اور کائنات کے کئی حصوں کو ایک ساتھ جڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔

اردو زبان دوسری زبانوں سے یوں مختلف ہے کہ دوسری زبانیں محدود یا مخصوص دائرے تک متعین ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اردو زبان ایک ترقی یافتہ لشکری زبان ہے جس کے دامن میں مختلف زبانوں کے الفاظ سمائے اور اس طرح جذب ہوئے کہ اس کا حصہ بن گے اور اس کا مقام اہم بنتا گیا۔ ڈاکٹر محمد ارشد اویسی کے خیال میں ''اردو نے نا صرف خود کو زندہ رکھا بلکہ علوم و فنون، تحقیق و تخلیق کے ہر شعبہ میں ہزاروں کی تعداد میں کتابیں تصنیف و تالیف کر کے وہ مقام حاصل کیا جو برصغیر کسی دوسری زبان کا حاصل نہیں۔۔۔ چند سال قبل عالمی ادارے یونیسکو نے دنیا بھر کی زبانوں کے جو اعداد و شمار شائع کیے ان میں سے زیادہ بولی جانے والی تین زبانوں میں نمبر اول چینی، نمبر دوم انگریزی اور تیسرے نمبر پر اردو بتائی گئی ہے۔''(۱)

ہماری قومی زبان اردو کا تیسرے نمبر پر آنا بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اب اس کو پہلے نمبر تک لانا یا اسی مقام پر اس کا تحفظ ہمارے لیے بہت بڑا چیلنج ہے۔ البتہ اس کے تحفظات کے لیے ادباء کی کوشش رایگاں نہیں گئی۔ اب اس کی بیل ہند و پاک سے جوان ہو کر دنیا میں پھیل چکی ہیں۔ اس کی اپنی پہچان تو ہے لیکن اس کی راہ میں بچھے کانٹوں کو ہٹانے کے لیے ہمیشہ لڑنے کی ضرورت رہے گی۔ ذرا غور کریں سر سید احمد خان کی نثر پر۔ یا قدیم نثر پر اور آج کی نثر پر واضح تبدیلی نظر آ جائے گی۔ ہزاروں الفاظ متروک نظر آئیں گے۔ ان متروک الفاظ کے خارج ہونے سے خلا نہیں آیا بلکہ نئے الفاظ مختلف زبانوں کے در آئے۔ اردو ایک مکمل زبان ہے۔ اس میں جاذبیت کی خاصیت ہے کہ پاکستان میں بولی جانے والی ہزاروں زبانوں کے الفاظ اس نے بڑی محبت سے سمو لیے کہ انگریزی کے بھی۔ ہم کسی طور پر بھی انگریزی اردو کا مقابلہ نہیں کرتے۔ اگر کوئی شخص اردو میں انگریزی

الفاظ بول لیتا ہے تو کیا فرق پڑا ہے۔اس میں عربی، فارسی، ترکی، پشتو، بلوچی، براہوی، پنجابی، سرائیکی، سندھی، مارواڑی، ہندی، سنسکرت، ریاستی اور کئی زبانوں کے الفاظ موجود ہیں تو انگریزی کو بھی الگ زبان سمجھ کر اہمیت نہ دی جائے۔اب اسی موضوع میں ''چیلنجز'' لفظ استعمال ہوا ہے۔تو یہ ایک عام سی بات ہے جہاں دوسری زبانوں کے الفاظ جذب ہوئے۔وہی کیفیت یہاں ہے۔

ادب کا تعلق معاشرہ، زبان اور ادیب سے لازم وملزوم ہے۔ڈاکٹر محمد خان اشرف کے خیال میں ''زبان''ادب پارہ'' کا اظہاری وجوہ ہے۔زبان کا تخلیقی استعمال ادیب کو معاشرے سے نہ صرف مکمل طور پر پیوستہ کرتا ہے بلکہ وہ اس زبان کے تخلیقی استعمال کے ذریعے زبان کی حدود وقیود کو وسعت دیتا ہے'' (۲)

اگر ہم غور کریں کہ ہمارا ادب نئے انکشافات، نئے تجربات یا چیلنجز کے مقابلہ کی طاقت رکھتا ہے تو جواب مثبت ملے گا۔وہی ادب زندہ رہتا ہے جو جدید تقاضوں، جدید رجحانات اور معاشرتی اقدار کو قبول کرتا ہے۔اسی لیے نئے تجربات سے مقابلہ کرنے کے لیے وہ ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔اس طریق نقد سے ادب وادیب کو نئے عہد کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کا موقع ملتا ہے۔معاشرے میں ایسے ادیب ضرور ہوتے ہیں۔جو فرسودہ روایت کے حامی ہیں وہ لکیر کے فقیر بنے ایک ہی دھڑے پر ٹھیلہ لگائے برسوں گزار دیتے ہیں۔جب محسوس کرتے ہیں کہ فضا زنگ آلود ہو رہی ہے یا کوئی بڑی تبدیلی رونما ہو رہی ہے تو اپنے توقف کو توڑ کر قدامت سے انحراف بھی کر لیتے ہیں۔کچھ ادیب جو روایت کی پاسداری کرتے ہوئے تہذیب واقدار کے پہلوؤں کو بھی سامنے رکھتے ہیں اور نئے تقاضوں کا مقابلہ کرنے کے مستعد رہتے ہیں۔ایسے میں بعض اوقات انھیں مشکلات کا سامنہ پڑتا ہے مگر وقت آنے پر اعلی وادنی کی پہچان آجاتی ہے۔کتاب ''مقدمہ شعر وشاعری'' کی مثال سامنے ہے۔غالب کے فن کو ابھرنے میں آدھی صدی درکار ہوئی۔ملکی اور بین الاقوامی سطح پر نمودار ہونے والی تبدیلیوں کو نظر میں رکھنا ہے۔دنیا کے روابط مٹھی میں سمٹ آئے ہیں۔ایسے میں ادیب کا جاگنا اس کے خون کی روانی کو بحال کرتا ہے۔

ڈاکٹر ناصر عباس نیر کے مطابق ''ہماری ذہنی یا دوسری دنیا میں ایسے نشانات، علامتیں، روایتیں، اعتقادات، اساطیر، کہانیاں، نظریے وغیرہ ہوتے ہیں جو پہلی دنیا کی تفہیم وتعبیر کرتے، اس کی ایک خاص صورت ہمارے ذہن میں مرتب کرتے ہیں مگر اسی سے دنیا کی تجربی حقیقت اور ذہنی حقیقت میں فاصلہ بھی پیدا ہوتا ہے اور یہ فاصلہ لکھت میں آکر مزید بڑھ جاتا ہے۔لکھت ایک قسم کی اپنی دنیا پیدا کر لیتی ہے۔'' (۳)

ادیب اپنے مزاج، ماحول اور ذوق کے مطابق لکھتا ہے کیونکہ ہر دیس کا اپنا الگ مزاج، ثقافت، موسم اور زندگی کے اطوار جدا ہیں لیکن اسے بہرصورت اس نئے عہد کے تیز تر اور نئے تقاضوں کو اپنانا ہے۔ادباء وشعراء کی اسلوبیات اسی پس منظر میں ادبی رویوں کو وسعت سے ہم کنار کرتی ہے۔ڈاکٹر پروفیسر ضیاء الرحمٰن کے خیال میں ''اسی پس منظر میں انہوں نے گہرے فلسفیانہ نکات کو استدلال سے جوڑ کر ابلاغ کو بہت آسان کر دیا ہے۔جو ان کے اسلوب کا اعجاز ہے۔'' (۴)

قیام پاکستان سے پہلے کلام میں محبوب اور حسن وجمال کے قصے تھے، پھر وطنیت اور رشتوں سے دوری، اور نئی دھرتی کے مسائل اس کے بعد زلزلہ، انسان دوستی، دہشت گردی، خواتین کے حقوق، فرسودہ رسومات سے انحراف، امن کی تلاش، معاشی پہلو جیسے خیالات شاعری اور نثر میں کھل کر سامنے آئے۔۶۰ء کی دہائی تک تنقید نگاری کا رجحان بھی نظر آنے لگا۔اب ساتھ ہی تحقیق پر کام ہونے لگا۔اس دوران مارکسی، جمالیاتی اور لسانی نظریات جہاں متعارف ہوئے ساتھ ہی ہیئت وساختیات کو مدنظر

رکھ کر تجزیے ہوئے۔انسان کے داخلی و خارجی جذبات اور ثقافت و تہذیبی اقدار کا تحفظ ہونے لگا، مقامیت کو ہوا ملنے لگی۔تنقید کا عمل کسی فن پارے کے حسن و قبح کو بیان کرنا تنقید کے زمرے میں نہیں آتا۔تنقید کی وجہ سے ادب کے فن کو ناپنے اور ان عوامل کو اجاگر کرنا ہے جن کی وجہ سے ادب کو ترقی ملی۔اس طرح قدر بندی کا عمل دیانتداری سے انجام پاتا ہے۔تنقید انسانی فکر و شعور کا آئینہ ہے۔نقاد قدر بندی کر کے کسی بھی ادب پارے کے مقام و مرتبے کا تعین کرتا ہے۔موجودہ دور میں تخلیق و تنقید کے بعد تحقیق کا عمل شروع ہوا۔اب کسی فرسودہ نظریہ کو مانا نہیں جاتا۔تجسس اصل شناخت چاہتا ہے۔اس کی رسائی معاشرے سے کٹ کر نہیں۔معاشرتی و ثقافتی محرکات ہوں یا تاریخی عوامل اس کی مظہریت کے لیے نئی توجیہات کی کھوج پانی کو پانی اور دودھ کو دودھ کر دیتی ہے۔ادب کی سچائی کے لئے نئے نظریات برابر سامنے آتے جا رہے ہیں۔سیٹلائٹ عہد میں نمودار ہونے والی تبدیلیوں کے اثرات پڑنے لگے۔اب مرصع سازی، جھوٹ و فریب سے ہٹ کر سچ کی تلاش غالب ہونے لگی۔

ڈاکٹر محمد اشرف کمال لکھتے ہیں ''ادب زندگی کی تصویر کشی، ترجمانی اور عکاسی کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے ہمیشہ اسے بہتر طور پر جینے میں مدد دیتا ہے۔زندگی کو اچھے طریقے سے جینے کے مختلف طریقوں کی طرف راستہ دکھاتا ہے۔ادب کی کوئی بھی صنف ہو، کوئی بھی قسم ہو اس کا تعلق زندگی اور جذبے سے ضرور ہوتا ہے۔نازک احساسات کو لفظوں کی شکل میں پیش کر کے اپنا کیتھارس آگے چل کر قاری کے لیے ممکنات کے کئی در وا کرتا چلا جاتا ہے۔''(۵)

بلوچستان کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ یہاں پر چند سال پہلے پسماندگی، ضروریات کی عدم فراہمی، میل جول، روابط کا فقدان، تعلیم کی کمی اور اردو زبان سے ناآشنائی نے ادب کی وسعت و پذیرائی کو کمزور رکھا۔حالانکہ باذوق اور باصلاحیت افراد کی کمی نہ تھی۔وقت کے ساتھ جیسے ہی پسماندگی کے بادل چھٹنے لگے۔ادباء نے نئے رجحانات اور اکیسویں صدی کے چیلنجز کو قبول کر لیا۔یہاں ادبی تحاریک کے اثرات واضح ملتے ہیں۔انگریزوں کے خلاف صدائے انقلاب، احتجاج، معاشرتی ناہمواریاں، سماجی برائیاں، تلخ رویے، قدرتی آفات، دہشت گردی جیسے معاملات کو نثر اور شاعری کا حصہ بنایا گیا۔قیام پاکستان کے بعد ۱۹۷۰ کی دہائی تک تجرباتی دور رہا، ادباء نے اشاریت، تجریدیت، مزاحمتی رجحان، احتجاجی جذبات، علامت نگاری اور کردار نگاری جیسے عناصر کا سہارا لے کر احساس و خیال کو اسلوب میں سمونے کی کوشش کی۔ان تجربات میں علامتی، استعاراتی، تلمیحاتی، اشاراتی، تکنیکی اور اسلوبیاتی زاویوں کا بے حد عمل دخل ہے۔ہر دور میں شعراء نے گاہے بگاہے علامات، تماثیل، استعارات، تشبیہات، اصناعات اور تحاریک کے اثرات کو برت کر ادب کو کئی نئے انداز بخشے۔جس سے اسے فنی استواری بھی ملی اور موضوعاتی سطح پر مختلف رجحانات کو اپنے اندر سمونے کی صلاحیت میں اضافہ ہوا۔حالی، اکبر، اقبال اور فیض و غالب کی شاعری کے نئے آہنگ کو اختیار کیا گیا۔

ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن کے خیال میں ''یہاں کے طبعی خدوخال افراد کی اجتماعی سادہ لوحی، سخت کوشی اور طرز حیات میں وہ جوہر پوشیدہ تھے جسے چشم بینا ہی دیکھ سکتی ہے۔--------فکر اقبال وقتی محرکات کے تابع فوری مدافعت کی ڈھال نہ تھی، نہ ہے۔اس کی ہئیت ترکیبی ایسی ہے کہ یہ دائمی چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی توانائی رکھتی ہے۔''(۶)

اب ادب کا منظرنامہ بہت مختلف ہو چکا ہے۔شعراء و ادباء کے قلم کی کاٹ نے نئے رجحانات کا مقابلہ کیا، نئے چیلنجز سے منہ نہیں موڑا بلکہ انہیں ساتھ لے کر چلے۔تخلیقی عمل ایک جہت تک محدود نہیں رہا۔شعر و نثر اور تنقید و تحقیق کے اعتبار سے ایک

بڑی تبدیلی ہوئی۔تحقیق کی سربلندی میں ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اور ڈاکٹر خالد محمود خٹک کے اقدام اہم رہے ہیں۔ان کی سعی نے ایک انقلابی ریلے کی صورت ادب کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

ڈاکٹر خالد محمود خٹک نے عنقا کے بارے میں لکھا کہ'' شاعری صحافت، اور عملی سیاست کے بہت سے زاویے اقبال کی شخصیت ان کے کلام اور براہ راست ملاقاتوں سے متعین کیے۔۱۹۶۶ء میں شاعری کے وسیع میدان میدان میں داخل ہوئے تو فکر اقبال کو اپنا رہنما بنایا۔''(۷)

ہر لکھاری اپنے مزاج، مشاہدہ، تجربہ اور آہنگ کے مطابق موضوع، الفاظ، خیال کا چناؤ کرتا رہا ہے۔کہیں ثقافت کا رنگ نمایاں ہوا تو کسی کے ہاں علامت نگاری، کہیں کردار نگاری، کہیں جمالیاتی حسن اور تمثیلی انداز بیان سے کام لے کر فطری مناظر کی تصویر کشی کی گئی اور جب ماحول میں کشیدگی اور درد کی فضا آئی تو اس ردعمل کے طور پر شعراء نے شہر آشوب لکھے۔جن میں قدرتی آفات، زلزلہ، بم دھماکہ، بھوک و مفلسی جیسے موضوعات پر لکھ کر معاشرے کے زخموں پر مرہم رکھا گیا۔حب الوطنی کا موضوع قدیم تو ہے لیکن اسے جدید آہنگ کے ساتھ ہمیشہ برتا گیا ہے۔یہ تمام محرکات ادب کو فروغ دینے کا سبب بنے۔

یہاں کے ادباء نے خیال اور موضوعات کو نئے تجربات کے ذریعے وسعت دی۔جدید رجحانات کو اپنایا۔ان کے پاس من پسند موضوعات، وسیع میدان، اور ذخیرہ الفاظ موجود تھے۔مشاہدات، تجربات اور سماجی ضروریات کے مطابق اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے اور دنیا میں تیزی سے پھیلتے ہوئے نئے رجحانات کو اپنا کر چیلنجوں کی آہنی دیوار کا مقابلہ کیا۔ان کے عمل تخلیق سے ایسے وتیرے سامنے آئے جو مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ تجرباتی و تجزیاتی ہیں۔لکھاریوں کی غالب اکثریت کی رغبت سے جس صنف پر تجربات ہوئے تو فنی سطح پر کئی نئے عوامل ایک نئے جہاں کی تلاش میں آشکار ہوئے۔جو اس صنف کے تخلیقی عمل کو تقویت دینے کا سبب بنے۔

ادبی افکار و نظریات آگہی صرف علمی حلقوں تک محدود ہے۔اس کا دائرہ کار بڑھا کر عام آدمی تک بھی ہونا چاہیے۔جو تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود ناخواندہ رہتا ہے۔دنیا میں ادب کے لیے بلند سطح پر کام ہو رہا ہے۔ادباء کا فرض ہے کہ وہ ان کا اظہار ادب میں کریں۔ادب جب تک زندگی سے ہم آہنگ نہیں ہوگا اس وقت تک اقدار کا تحفظ، سماجی مسائل میں کمی، خواص سے عام حلقے تک رسائی اور کئی بنیادی مسائل حل نہ ہوں گے۔ان کی ترویج کے لئے عہد حاضر کے تناظر میں مختلف سطحوں پر کیے گے اقدام بہتر نتائج دے سکتے ہیں۔ جب ہمیں ادب کی ترویج و ترقی میں حصہ لینا ہے، اس ترقی کی دوڑ میں نئے نئے چیلنجز کے لیے تیار ہونا ہے تو چند ایک تجاویز غور طلب ہیں تاکہ دوررس متائج مل سکیں۔

ڈاکٹر نثار ترابی کی رائے میں'' زمانی تسلسل کا یہ تاریخی ارتقاء اپنی طے شدہ منزلیں مارتا ہوا اب اس لمحہ موجود میں اکیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آگاہ ہے۔عصر حاضر کے تقاضے ہر عہد میں جدا جدا رنگوں میں ڈوبتے اور ابھرتے رہے ہیں۔ اور ہم نے ان عصری تقاضوں کا معاصر رنگ دیکھنا اور دکھانا ہے۔''(۸)

میرے خیال میں اردو زبان کے تحفظ اور و ادب کی ترویج کے لیے جو پیشرفت ہوئی وہ قابل ستائش ہے۔حکومتی سطح پر بھی اور ادبی اداروں کی طرف سے بھی۔محترم افتخار عارف نے اس کی تفصیل یوں بیان کی'' پاکستان کے جتنے بھی عمومی نوعیت کی آئینی دستاویزات (۱۹۵۶ء، ۱۹۶۶ء) نافذ کی گئی ہیں ان سب میں اردو کو قومی زبان کے طور پر درجہ دیا گیا ہے۔۱۹۷۳ء کے

متفقہ طور پر منظور کیے جانے والے دستور میں بھی اردو کو قومی زبان بنانے پر اتفاق رائے کیا گیا ہے۔ ۲۰۱۵ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان، عدالت عظمی نے اردو کو فوری طور پر سرکاری دفتروں میں نافذ کرنے کا حکم دیا تھا۔''(۹)

جب اردو کے بارے میں اس قدر کام ہو گیا ہے اور اب بھی نافذ نہیں ہو پائی تو یہ بھی ایک چیلنج ہے کہ آنے والی صدی میں ہماری قومی زبان اور ادب کس نہج تک پہنچانے کا تہیہ کیا جائے اور اس پر عملدرآمد کو یقینی بنانے کی کوششیں کی جائیں۔

اور ساتھ ہی ادبی کانفرنس، سیمینارز، ادبی نشستوں، ادبی انجمنیں منعقد ہوں، ادبی تخلیقات کے تراجم کرائے جائیں، جرائد، تحقیقی مجلوں، رسائل اور ادبی تخلیقات کی سستی اشاعت ہو تا کہ ان تک رسائی کو آسان کیا جائے، ادبی لائبریریوں کا قیام گلی محلوں میں ہو جیسے پرانے زمانے میں تھا، جہاں نئی نسل کو کم قیمت کی ادائیگی سے کتب پڑھنے کا موقع ملے۔صوبوں کے ادبی اداروں کے مابین روابط زیادہ ہوں، صوبائی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ہونے والے پروگرامز میں شرکت ونمائندگی کا اہتمام کیا جائے اور ان میں شرکت چند لوگوں تک محدود نہ ہو۔ جامعات کے ادبی مجلوں کو سکولز اور کالج تک کی سطح پر طلباء میں تقسیم کیا جائے، نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہو اور تحقیقی مجلوں میں ان کو بھی جگہ دی جائے اور خاص طور پر بلوچستان کے لکھاریوں اور اسکالرز کو مدعو کیا جائے، ان کا لکھا تحقیقی مواد یا تحقیقی مقالات کو شامل کیا جائے اور ایچ ای سی کی (اپنے اصول وضوابط کے مطابق) خصوصی اور رعایتی نظر ہونی چاہیے تا کہ ان کے مسائل حل ہو سکیں۔شاید اس طرح ایک استاد، ایک شاگرد، ایک لکھاری، ایک قاری، ادباء وشعراء اور محققین اردو ادب کی قلمی خدمت کا بیڑہ بآسانی پار لگا سکیں، ادراک اور پہچان تک پہنچ سکیں کیوں کہ ادب انسان کی پوری تہذیب کا آئینہ دار اور مظہر ہے۔ وہ قدیم وجدید روایات، عقائد ورسومات، سماجی، ثقافتی ومعاشرتی اقدار کا ادراک کرتا ہے۔اس طرح نئے عہد میں جنم لینے والے چیلنجز سے نمٹنے اور جدید عہد کے ساتھ ہم قدم ہوا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد ارشد اویسی، ڈاکٹر، مضمون مشمولہ: العلم، ادبی مجلّہ، شمارہ ۴، لاہور: گیریژن یونیورسٹی، ۱۸۔۲۰۱۷ء، ص:۶۹

۲۔ محمد خان اشرف، ڈاکٹر، ادب کیا ہے، لاہور: مرکز زبان وثقافت، ۲۰۱۹ء، ص:۱۰

۳۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، یک جہاں معنی تنومند است از پہلوے من (شعریات اور تھیوری) ادبی تھیوری ایک مطالعہ، مرتب: قاسم یعقوب، کراچی: سٹی بک پوائنٹ، س ن، ص:۰۷

۴۔ ضیاء الرحمٰن، ڈاکٹر، ادبی نشست، منعقدہ، ایس بی کے وومنز یونیورسٹی کوئٹہ، ۲۰۱۶ء

۵۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، تاریخ اصناف ونثر، کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۱۷ء، ص:۹

۶۔ ضیاء الرحمٰن، ڈاکٹر، مقالہ بعنوان: بلوچستان اقبال کی بصیرت کے تناظر میں، ایک روزہ علامہ اقبال قومی کانفرنس منعقدہ جامعہ بلوچستان، کوئٹہ، ص۱۸

۷۔ خالد محمود خٹک، ڈاکٹر، مقالہ بعنوان: اقبال کے بلوچستانی شاعر محمد حسین عنقا پر اثرات، ایضاً، ص:۲۰

۸۔ نثار ترابی، ڈاکٹر، مضمون: عصر حاضر کے تقاضے اور قومی زبان کا نفاذ، مشمولہ: اخبار اردو، ماہنامہ، شمارہ ۳، اسلام آباد: ادارہ فروغ قومی زبان، ۲۰۱۹ء، ص:۸

۹۔ افتخار عارف، مضمون: نفاذ اردو وقت کی اہم ضرورت، مشمولہ: اخبار اردو، ماہنامہ، شمارہ ۳، اسلام آباد: ادارہ فروغ قومی زبان، ۲۰۱۹ء، ص:۴